بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انٹرنیشنل

ISSN2754267

جولائی ۲۰۲۵ء

۶ محرم الحرام تا صفر ۷ ۱۴۴ھ

ALLAH IS WITH US

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت کا ترجمان۔

ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا (فرمانِ مسیح موعود بحوالہ کتاب نشان آسمانی صفحہ ۲۸)

حضرت مرزا غلام احمدؑ مُدعی نبُوت نہیں مجدّد صد چہاردہم تھے، جس کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح ومہدی کے القاب سے کی۔

مدیر

چیف ایڈیٹر فضل حق،

اسٹنٹ ایڈیٹر لورڈ شاہد عزیز

فہرست مضامین

۱.	کلام امام	(ایام الصلح قسط ۳۴)	۲
۲.	حجیت ختم نبوت	از: قاری غلام رسول	۴
۳.	مشرقِ وسطیٰ کی تباہی سے بچا جا سکتا تھا	از: رشید جہانگیری	۶
۴.	حضرت ابراہیم علیہ السلام	از: ابوعباد	۷
۵.	اسلام میں حج	از: طیب اسلام	۱۰

وفات مسیحؑ، احمدیت کی مضبوط چٹان

احمدیت ایک علمی تحریک ہے۔ علم پر مبنی ہے اور اس کی بنیادیں ایک مظبوط چٹان پر قائم ہیں۔ اس چٹان کو جب تک مظبوط دلائل سے توڑا نہ جائے دُوسرا کوئی ہتھیار کسی کام نہیں آسکتا اور وہ ہے وفاتِ مسیح کا مسئلہ جس کو قرآن مجید کی کُھلی کُھلی تائید حاصل ہے۔ اور جس کو قرآن نے نہایت واضح الفاظ میں کھول کر رکھدیا ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ اسلام الاٰن کما کان آسمانوں پر زندہ موجود ہیں تو پھر احمدیت خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس کے باطل ہونے میں ذرہ شک شبہ نہیں رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ ابتداء میں جس قدر مباحثے ہوتے رہے وہ وفات وحیات مسیحؑ کے متعلق ہی تھے اور یہی اُصولی بحث کا تقاضا تھا--- مگر خدا جانے ہمارے مولوی صاحبان اس اُصول کی طرف کیوں نہیں رجوع فرماتے اور اِدھر اُدھر کی گپ شپ سے اپنّا اُلوّ سیدھا کرنا چاہتے ہیں، وہ خُوب یاد رکھیں کہ اصول کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی گپّ شپ سے کام نہیں چل سکتا۔ اصولی بحث سے ہمارے مولوی صاحبان کی جان کیوں نکلتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انکو قرآن کی تائید حاصل نہیں وہ مایوس ہو چکے ہیں اور ان کو یقین ہو چکا ہے کہ قرآن مجید اُن کا ساتھ نہیں دیتا۔ (بحوالہ مجدد زمان از مرتضیٰ خان حسن صفحہ ۱۱)

نشریات

برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on:

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

YouTube:

https://www.youtube.com/c/WorldwideAhmadiyyaAnjumansLahore

https://www.podbean.com/user-Lx6kp2cJrcwN

پروگرام واوقات

پیر سے جمعرات نشریات

۱۹۰۰-۱۹۳۰ تدبر القرآن اردو

۱۹۴۰-۲۰۱۰ Reflections on the Holy Quran انگریزی

جمعہ-انگریزی ۱۳:۰۰

ہفتہ - اردو ۱۳:۰۰ GroupPure Discussions WhatsApp

عیدین-انگریزی ۱۱:۰۰

عالمگیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: editor.thelight@LACommunity.uk

کلام امام

از حضرت مرزا غلام احمد

(قسط۔۳۴)

مُرتب ارشد علوی مرحوم

(نوٹ:-ایام الصلح کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے پہلے صفحہ پر حضرت مسیح موعودؑ کے دستخط موجود ہیں۔ یہ کتاب ہمارے پاس مرکز میں اصل حالت میں موجود ہے۔)

پھر میں اصل کلام کی طرف عود کر کے کہتا ہوں۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو ہی چاہتا ہے کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے اور نہ سلسلہ وحی نبوت کا منقطع متصور ہو سکتا ہے۔ اور اگر فرض بھی کر لیں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہو کر آئیں گے۔ تو شان نبوت تو ان سے منقطع نہیں ہو گی۔ گو امتیوں کی طرح وہ شریعت اسلام کی پابندی بھی کریں[1] مگر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت وہ خدا تعالیٰ کے علم میں نبی نہیں ہوں گے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں وہ نبی ہوں گے تو وہی اعتراض لازم آیا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی دنیا میں آگیا۔ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا استحقاق اور نص صریح قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے۔ قرآن شریف میں مسیح ابنِ مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں۔ لیکن ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے۔ اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ پھر سلسلہ وحی

[1] چونکہ حدیثوں میں آنے والے مسیح موعود کو امتی لکھا ہے کیونکہ در حقیقت وہ امتی ہے اس لئے نادان علماء کو دھوکہ لگا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امتی ٹھہرا دیا حالانکہ ہمارے دعوے پر یہ ایک نشان تھا کہ مسیح موعود امت میں سے ہو گا۔ منہ

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ ”اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا“، ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسُوخ نہیں، نہ قیامت تک منسُوخ ہو گا۔

۴. بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال يكلمون من غير ان يكونوا انبياء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہلِ سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہلِ تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: اور ”اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

نبوت کا جاری کر دیا جائے کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوگی۔ افسوس یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ مسلم اور بخاری میں فقرہ اما مکم منکم اور امکم منکم صاف موجود ہے۔ یہ جواب سوال مقدر کا ہے یعنی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں مسیح ابنِ مریم حکم عدل ہو کر آئے گا تو بعض لوگوں کو یہ وسوسہ دامنگیر ہو سکتا تھا کہ پھر ختم نبوت کیونکر رہے گا۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد ہوا کہ وہ تم میں سے ایک امتی ہوگا اور بروز کے طور پر مسیح بھی کہلائے گا[2] چنانچہ مسیح کے مقابل پر جو مہدی کا آنا لکھا ہے اس میں بھی یہ اشارات موجود ہیں کہ مہدی بروز کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مورد ہوگا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا خُلق میرے خُلق کی طرح ہوگا۔ اور یہ حدیث کہ لا مھدی الا عیسیٰ ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف کرتی ہے کہ وہ آنے والا ذوالبروزین ہوگا۔ اور دونوں شانیں مہدویت اور مسیحیت کی اس میں جمع ہوں گی یعنی اس وجہ سے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اثر کرے گی مہدیؔ کہلائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہدی تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۸﴾ (سورۃ الضحیٰ ۹۳-۷) اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی استاد سے نہیں پڑھا تھا مگر حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسیٰ نے ایک یہودی استاد سے تمام توریت پڑھی تھی۔ غرض اس لحاظ سے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نہیں پڑھا خدا آپ ہی استاد ہوا اور پہلے پہل خدا نے ہی آپ کو اقراء (سورۃ العلق ۹۶-۳،۱) کہا یعنی پڑھ اور کسی نے نہیں کہا اس لئے آپ نے خاص خدا کے زیر تربیت تمام دینی ہدایت پائی اور دوسرے نبیوں کے دینی معلومات انسانوں کے ذریعہ سے بھی ہوئے۔ سو آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا۔ سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا اور قرآن اور حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے۔ پس یہی مہدویت ہے جو نبوت محمدیہ کے

---

[2] نوٹ: اگر حدیث میں یہ مقصود ہوتا کہ عیسیٰ باوجود نبی ہونے کے پھر امتی بن جائے گا تو حدیث کے لفظ یوں ہونے چاہیے تھے اماکم الذی یصیر من امتی بعد نبوت یعنی تمہارا امام جو نبوت کے بعد میری امت میں سے ہو جائے گا۔ منہ

منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے اور اسرار دین بلاواسطہ میرے پر کھولے گئے اور جس طرح مذکورہ بالا وجہ سے آنے والا مہدی کہلائے گا اسی طرح وہ مسیح بھی کہلائے گا کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت بھی اثر کرے گی لہٰذا وہ عیسیٰ ابنِ مریم بھی کہلائے گا۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے اپنے خاصہ مہدویت کو اس کے اندر پھونکا[3] اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی روحانیت نے اپنا خاصہ روح اللہ ہونے کو اس کے اندر ڈالا۔ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے لطف اور احسان اس کے انبیاء علیہم السلام پر گوناگوں پیراوں میں نازل ہوتے ہیں۔ کسی نبی کی علمی اور عملی تکمیل بلاواسطہ ہوتی ہے اور کسی کی تکمیل میں بعض وسائط بھی ہوتے ہیں۔ سو یہ خاص فضل کی بات ہے کہ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی تکمیل بغیر واسطہ کسی دوسرے استاد کے ہو کر اسی لحاظ سے آپ کو مہدی کا لقب ملا۔ ایسا ہی علمی تکمیل بھی بلاواسطہ ہو کر عبد کا لقب ملا۔ کیونکہ نہ آپ کی تعلیم کسی انسان کی معرفت ہوئی اور نہ آپ کی عملی طاقتیں کسی مہذب مجلس کی صحبت سے پیدا ہوئیں اور اُسی خالص مہدویت کے نام کے لحاظ سے آپ کو بہت سے اسرار اور معارف اور کلم جامعہ بخشے گئے یہاں تک کہ قرآن شریف میں اس قدر معارف اور نکات اور علوم حکمیہ الٰہیہ اور دلائل عقلیہ فلسفیہ۔ اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور فصاحت کے ساتھ بیان فرمائے

---

[3] حاشیہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبد بھی ہے اور اسلئے خدا نے عبدؔ نام رکھا کہ اصل عبودیت کا خضوع اور ذلّ ہے اور عبودیت کی حالت کاملہ وہ ہے جس میں کسی قسم کا غلو اور بلندی اور عجب تر ہے اور صاحب اُس حالت کا اپنی عملی تکمیلبقیہ حاشیہ: محض خدا کی طرف سے دیکھے اور کوئی ہاتھ درمیان نہ دیکھے۔ عرب کا محاورہ ہے کہ وہ کہتے ہیں مور معبد و طریق معبدٌ جہاں راہ نہایت درست اور نرم اور سیدھا کیا جاتا ہے۔ اس راہ کو طریق معبّد کہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے عبد کہلاتے ہیں کہ خدا نے محض اپنے تصرف اور تعلیم سے ان میں عملی کمال پیدا کیا۔ اور ان کے نفس کو راہ کی طرف اپنی تجلّیات کے گذر کے لئے نرم اور سیدھا اور صاف کیا۔ اور اپنے تصرف سے وہ استقامت جو عبودیت کی شرط ہے ان میں پیدا کی۔ پس وہ علمی حالت کے لحاظ سے مہدی ہیں اور عملی کیفیت کے لحاظ سے جو خدا کے عمل سے ان میں پیدا ہوئی عبد ہیں۔ کیونکہ خدا نے ان کی روح پر اپنے ہاتھ سے وہ کام کیا ہے جو کوٹنے اور رہموار کرنے کے آلات سے اس سڑک پر کیا جاتا ہے جس کو صاف اور رہموار بنانا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ مہدی موعود کو بھی عبودیت کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حاصل ہوا اس لئے مہدی موعود میں عبدؔ کے لفظ کی کیفیت غلامؔ کے لفظ سے ظاہر کی گئی یعنی اس کے نام کو غلام احمد کر کے پکارا گیا۔ یہ غلامؔ کا لفظ اس عبودیت کو ظاہر کرتا ہے جو ظلّی طور پر مہدی موعود میں بھی ہونی چاہیے رفتدّبر۔ منہ

نوٹ: یہ مرتبہ عبودیت کاملہ جو انسان اپنی عملی تکمیل محض خدا تعالیٰ کی طرف سے دیکھے بجز اس مہدی کامل کی جس کی عملی تکمیل تمام و کمال محض خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے ہوئی ہو دوسرے کو میسر نہیں آسکتا کیونکہ اپنی جہد اور کوشش کا اثر ضرور ایک ایسا خیال پیدا کرتا ہے کہ جو عبودیت تامہّ کے منافی ہے اس لئے مرتبہ عبودیّت کاملہ بھی بوجہ اس کے جو مرتبہ مہدویّت کاملہ کے تابع ہے بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے کو وجہ کمال حاصل نہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (سورۃ الجمعہ ٦٢-۴) فاشھد وانا نشھد ان محمد عبد اللہ رسول منہ۔

گئے کہ وہ ان تمام معارف اور بلاغت کاملہ کے لحاظ سے ایک اعلیٰ درجے کا علمی معجزہ ٹھہر گیا۔ جس کی نظیر پیش کرنا تمام جن وانس کی طاقت سے باہر ہے۔

سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اعلیٰ کمال جس سے آپ کی خصوصیت تھی مہدویت اور عبودیت ہے۔ آپ کی مہدویت کا ہی اثر تھا کہ اُس زمانہ کو عام خیال ہدایت یابی کا پیدا ہوا اور دلوں کو خود بخود خدا کی طرف توجہ ہوگئی۔ مہدویت سے مراد وہ بے انتہا معارف الٰہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر واسطہ کسی انسان کے علم دین کے متعلق سکھلائے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے اول درجہ کا معجزہ ہے۔

[۴] جن کے ذریعہ سے بے شمار انسان ایمانی اور عملی قویٰ کی تکمیل کر کے معرفت تامہّ کے بلند مینار تک پہنچ گئے اور عارف کامل ہوگئے۔ مسلمان اگر اس بات کا فخر کریں تو بجا ہے کہ جس قدر ان کو اپنے نبی کریم اور کتاب اللہ قرآن شریف کے ذریعہ سے اسرار اور علوم اور نکات معلوم ہوئے اس کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں۔ اور عبودیت سے مراد وہ حالت انقیاد اور موافقت تامہ اور رضا اور وفا اور استقامت ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص تصرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئی جس سے آپ اُس راہ کی طرح ہوگئے جو صاف کیا جاتا۔ اور نرم کیا جاتا۔ اور سیدھا کیا جاتا۔ یہ وہ نمونہ تھا جس کی پیروی سے بیشمار انسان استقامت کاملہ تک پہنچ گئے۔ غرض یہ دونوں کامل صفتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں متحقق تھیں جو عام ہدایت اور قوت ایمانی اور استقامت کا موجب ہوئیں۔ اور جس طرح آنجناب کو مہدی اور عبد کا خدا تعالیٰ کی طرف سے لقب ملا تھا جس کی تشریح ابھی ہو چکی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کا لقب ملا۔ اور جب یہ لقب ان کو عطا ہوا تو خدا نے ان کو ان برکتوں سے بھر دیا جن سے دنیا کو جسمانی طور پر ان کے انفاس سے فائدہ پہنچا۔ اور یہ فوائد اکثر دنیوی تھے مثلاً لوگوں کی بیماریوں کا ان کی توجہ سے دور ہونا یا ان کی تنگیوں اور تکالیف کا حضرت مسیح کی ہمت سے رفع ہو جانا یا ان کی دعاؤں سے ان کا دشمنوں پر فتح پانا یا کھانے پینے کی چیزوں میں برکت پیدا ہونا۔ مگر وہ برکتیں ان علمی اور روحانی اور غیر فانی اور ایمانی برکتوں کے مقابل پر کچھ چیز نہیں تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو ملیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان روحانی اور غیر فانی اور ایمانی برکتوں میں سے حضرت مسیح نے اپنی امت کو کوئی حصہ نہیں دیا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ان جسمانی برکتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو محروم رکھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح میں جسمانی فانی برکتوں کی کثرت تھی اور روحانی اور ایمانی اور دائمی برکتیں دنیا کو ان سے بہت ہی کم ملیں۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا کہ کیا اپنی امت کو تو نے ہی شرک سکھایا ہے۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی دائمی برکتیں بکثرت دی گئیں اور جسمانی برکتیں بہ نسبت روحانی کے تھوڑی تھیں کیونکہ روحانی گویا بیشمار تھیں۔ (فہرست۔مضامین)

نبوت ختم حجیّت

بجواب سیریز "آخری نبی"

از: قاری غلام رسول

(نوٹ:۔مندرجہ ذیل مضمون ہم نے کئی شماروں میں قسطوں میں شائع کیا ہے۔ یہ ضروری تھا اس لئے کہ جواب نہ لکھا جاتا تو ہمارے مخالفین بغلیں بجاتے کہ اِس کتاب نے احمدیوں کا منہ بند کر دیا۔ ہماری درخواست ہے کہ وہ ٹھنڈے دِل سے سوچیں کہ یہ کتاب پڑھنے کے بعد کتنے غیر مسلم اسلام میں داخل ہوئے؟ افسوس کہ ہمارے سارے وسائل لوگوں کو اسلام کی طرف بُلانے میں نہیں مسلمانوں کو اسلام سے نکالنے میں خرچ ہو جاتے ہیں۔)

اسماء کی کثرت اور حضرت مرزا صاحب

خالد صاحب آخری نبی کے صفحہ ۱۰۶ پر ایک عنوان قائم کرتی ہیں "مثیلِ مسیح کا دعویٰ" اس کے نیچے حضرت مجدد صدچارد ہم مرزا غلام احمدؑ کی کتاب ازالہ اوہام سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جو ذیل ہے:۔ "ہماری طرف سے عرصہ سات یا اٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد روحانی خواص طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ کے خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں اور دوسرے کئی امور میں جن کی تشریح انہی رسالوں میں کر چکا ہوں میری زندگی کو مسیح ابن

---

[۴] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین سے مادری زبان سیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا کیونکہ چھ ماہ کی عمر تک دونوں فوت ہو چکے تھے پس اس واقعہ میں بھی شان مہدویت کا ایک راز ہے یعنی جس کو زبان سیکھنے کے لئے والدین کی تربیت بھی نصیب نہیں ہوئی اس کی یہ فصاحت اور یہ بلاغت جس کی نظیر کسی عرب نثراد میں مل نہیں سکتی۔ یہ وہ امر ہے جس سے یہ نکتہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مہدویت کی شان رکھی تھی اس لئے زبان دانی کے مرتبہ میں بھی جو انسانیت کا پہلا مرتبہ ہے کسی دوسرے کا محتاج نہیں کیا۔ منہ

مریم سے اشد مشابہت ہے

ہمیں نہیں معلوم کہ مصروف کو اس پر کیا اعتراض ہے کیا مشہور حدیث نہیں ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مثل ہیں اور کیا یہ حدیث بھی بھول گئے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں خالد صاحب کہتے ہیں حضرت مرزا صاحب مہدی، مسیح، مثیل عیسیٰ، محمد، احمد اور خاتم الخلفاء وغیرہ اپنے بہت سے نام و القاب کیوں رکھتے ہیں۔ حالانکہ کثرت الاسماء تدل علیٰ شرفِ المسمی کے مطابق یہ تو شرف و بزرگ کی علامت ہے۔ ایک بچہ جس کا نام محمد عبداللہ وہ قران مجید حفظ کر لیتا ہے۔ اب لوگ حافظ محمد عبداللہ کہتے ہیں پھر وہ مثلاً تجویز القرآن کا کورس کر لیتا ہے۔ اب لوگ حافظ و قاری محمد عبداللہ کہنے لگتے ہیں۔ پھر وہ فاضل درس نظامی کر لیتا ہے اب لوگ حافظ قاری علامہ محمد عبداللہ کہنے لگتے ہیں۔ اب وہ مثلاً ایم فل کر کے کسی کالج میں استاد ہے۔ اب لوگ کہتے ہیں حافظ قاری علامہ پروفیسر محمد عبداللہ اس کے بعد وہ ایم۔ بی۔ بی ایس یا پی۔ ایچ۔ ڈی کر لیتا ہے اب لوگ کہتے ہیں حافظ قاری پروفیسر ڈاکٹر علامہ محمد عبداللہ۔ اب اگر یہ محمد عبداللہ کسی مسجد میں خطبہ جمعہ بھی دے رہا ہے تو یہ خطیب اسلام ہے۔ اگر یہ کسی مدرسہ میں ترجمہ قرآن کی کلاس پڑھا رہا ہے تو یہ شیخ القرآن ہے اور اگر کسی جامعہ کے دارالافتاء سے وابستہ ہے تو اب یہ پروفیسر ڈاکٹر حافظ قاری شیخ القران علامہ مفتی خطیب اسلام محمد عبداللہ ہے کسی کو اس پر کیا اعتراض ہے۔ اسی طرح روحانیت میں بھی مقامات ہیں۔ کیا قرآن کریم میں ایک بندہ کو مسلمان، متقی، مومن، ولی، صابر، شاکر، متوکل، جیسے نام نہیں دیے گئے؟ اہل تصوف و معرفت کے ہاں غوث، قطب، ابدال، اخیار، ابرار، اوتار، قطب الارشاد، قیوم زماں نائب رسول وغیرہ نام ہیں

خاتم الانبیاء، حضرت سید و مولا، رحمت عالم، محبوب کبریا، شافع محشر، ساقی کوثر، باعث تخلیق کائنات، فخر الانبیاء، سرور کائنات، احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ نے ارشاد فرمایا ترجمہ:۔ جس قدر انبیاء گزرے ہیں ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی نظیر یا مسیح میری امت میں سے ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ ابو بکرؓ حضرت ابراہیمؑ کا مثیل ہے اور عمرؓ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہے اور عثمانؓ حضرت ہارون علیہ السلام کا مثیل ہے اور علی مرتضیٰؓ میرا مثیل ہے اور جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا چاہے وہ ابو ذر غفاریؓ کو دیکھ لے۔ (کنز الاعمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۲)

اولیاء کاملین پر روحانی طور پر جب فیضان نبوت کا نزول ہوتا ہے تو ان کو بقدر استعداد اور ان کے مقام کے لحاظ سے مختلف انبیاء کے نام دیے جاتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق تذکرہ اولیاء میں لکھا ہے لوگوں نے کہا کہ اللہ کے بعض بندے دنیا میں ایسے بھی ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمدؐ کے دل رکھتے ہیں اس پر بایزید بسطامیؒ نے فرمایا وہ سب میں ہوں۔ (تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴)

بعض کور باطن اور کم فہم لوگ حضرت مجدد زماں کے اس شعر پر استہزاء کرتے ہیں۔

میں کبھی آدم، کبھی موسیٰ، کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اس شعر کا یہ مطلب نہیں کہ میں جامع صفات انبیاء ہوں معاذ اللہ کیونکہ آپ کا دعویٰ نبوت نہیں۔ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ان انبیاء کی کوئی نہ کوئی صفت مجھے بھی عطا کی گئی ہے۔ جیسا کہ انبیاء کرام کے تابعداروں میں ان کی صفات کا عکس نظر آتا ہے اور یہ سب اتباع رسول کی برکات و انوار ہیں۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"میں آدم ہوں میں نوح ہوں میں ابراہیم ہوں میں اسحاق ہوں۔۔۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۵)

علامہ اقبالؒ مرد مومن کے متعلق لکھتے ہیں:۔

او کلیم او مسیح و او خلیل
او محمد او کتاب او جبرئیل

تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضرؑ سے اونچا مقام ہے تیرا

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "میں وہ عیسیٰ ہوں جس نے مجھ سے زندگی پائی وہ ہمیشہ زندہ رہے گا"۔

مجدد اپنے زمانہ کا امام اور نائب رسول ہوتا ہے اور اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا عکس جمیل ہوتا ہے۔ خالد صاحب کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا فریب میں کوئی ثانی نہیں۔ اس کے دعوؤں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے اپنے لیے ناموں اور مراتب کی ایک لمبی چوڑی لسٹ تیار کی ہے۔۔۔ ان کی یہ بات خود ایک فریب اور دھوکہ دہی اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ علم و

دانش کی دنیا میں ایسی باتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ خالد صاحب اپنی کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے فضول اعتراضات کرتے جا رہے ہیں لیکن

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کی اتباع کی برکات سے آپ کے کامل پیروکاروں کو روحانی طور پر مختلف نام دیے جاتے ہیں اور یہ دعوے نہیں ہوتے بلکہ ان کے آسمانی نام ہوتے ہیں لیکن جو لوگ تصوف کے کوچہ سے نہ آشنا ہیں ان کے لیے یہ باعث تعجب ہے۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"یقیناً یاد رکھو کہ کامل اتباع کے ثمرات ضائع نہیں ہو سکتے یہ تصوف کا مسئلہ ہے اگر ظلی مرتبہ نہ ہوتا تو اولیاء امت تو مر جاتے یہی کامل اتباع اور بروزی اور ظلی مرتبہ ہی کو تھا جس سے بایزیدؒ نے محمد کہلایا اور اس کہنے پر ۷۰ مرتبہ کفر کا فتویٰ اس کے خلاف دیا گیا اور انہیں شہر بدر کیا گیا۔ مختصر یہ کہ جو لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات کا علم نہیں اور وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔

(اخبار بدر ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۵ بحوالہ لا نبی بعدی صفحہ ۲۰۶)

خلاصہ یہ کہ مختلف ناموں کا ملنا یہ دعوؤں میں تدریج کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ روحانی ترقی کے درجات کا مسئلہ ہے۔ رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین، رحمت اللعالمین نذیر اللعالمین کہا گیا یہ آپ ﷺ کی مختلف شانیں ہیں نہ کہ مختلف دعووی۔ فافہم وتدبر

حُسنِ یُوسف ، دمِ عیسیٰ ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

(اقبالؒ) (فہرست مضامین)

"مشرقِ وسطیٰ کی تباہی سے بچا جا سکتا تھا"

از: رشید جہانگیری

بیسویں صدی کے آغاز تک افغانستان کے سوا تمام مسلم ممالک کسی نہ کسی یورپی طاقت کے براہ راست یا بالواسطہ کالونی تھے۔ ۲۰۱۰ میں نیویارک ٹائمز نے ایک مضمون دوبارہ شائع کیا جو اصل میں ۱۹۱۰ میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں افغانستان میں پنپنے والی اسلامی انتہا پسندی اور عسکریت پسندی کے بارے میں بات کی گئی تھی۔ عسکری جہاد کے ذریعے یورپی نو آبادیاتی حکمرانوں کو شکست دینے کا خیال پروان چڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ برطانوی ہندوستان کے مسلم مذہبی رہنما بھی اسے 'دار الحرب' (جنگ کا گھر) کہہ رہے تھے۔

قادیان کے مرزا غلام احمد صاحب (چودھویں صدی ہجری کے مجدد) نے قرآن پاک اور احادیث میں مذکور الفاظ 'دجال اور یاجوج ماجوج' کی وضاحت اور شناخت کی، جن کا انگریزی ترجمہ اینٹی کرائسٹ (ایسے عیسائیوں کے لیے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس عمل کرتے ہیں) اور گاگ میگوگ (روس کے کوہ قاف کے علاقے سے تعلق رکھنے والی دو قفقازی قومیں) کیا جاتا ہے۔ یہ قومیں یورپ اور شمالی امریکہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان سب کا عیسائی پس منظر ہے، یعنی وہ کلیسیا (چرچ) سے نکلے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دجال سے تصادم سے گریز کرنے اور اس سے بحث و مباحثہ کر کے اسے مسلمان بنانے کی تاکید فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دجال کے ظہور کی شناخت میں مدد کے لیے اس کی بہت سی علامتیں بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ظہور کو ایک ایسے دور سے منسلک کیا جس میں یہودی اور عیسائی [جو آپس میں میل نہیں کھاتے کیونکہ یہودیوں نے عیسائیوں کے خدا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو سولی پر چڑھایا تھا] مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر جنگیں مسلط کریں گے۔

جولائی ۱۹۰۰ میں مرزا غلام احمد صاحب نے ایک کتاب 'گورنمنٹ انگریزی اور جہاد' لکھی۔ اپنی کتاب میں انہوں نے کئی دلچسپ نکات اٹھائے۔ انہوں نے افغانستان کے حکمران سے درخواست کی کہ وہ اپنے ملک میں پروان چڑھنے والی اسلامی عسکریت پسند سوچ کو جہاد کے صحیح معنی سکھا کر روکیں اور ختم کریں، ورنہ یہ پوری دنیا میں پھیل جائے گی اور اسلام کا نام بدنام کرے گی، مسلمانوں کو تباہی کا شکار کرے گی اور ساری زمین پر تشدد پھیلائے گی۔

مرزا غلام احمد صاحب نے مزید مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ ان یورپی عیسائی نو آبادیاتی حکمرانوں کے خلاف جنگ نہ کریں جو مسلم ممالک پر حکومت کر

رہے ہیں، کیونکہ وہ مسلمانوں کو امن سے اسلام پر عمل کرنے کی مکمل آزادی دے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے پھیلانے یا دفاع کے لیے عسکری جہاد کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ اب قلم، اشاعت، دلائل، بحث و مباحثہ اور یورپی عیسائی حکمرانوں اور عیسائی مشنریوں سے مناظرہ کا وقت ہے۔ ان یورپی عیسائی نوآبادیاتی حکمرانوں کے زیر اقتدار مسلم ممالک میں قائم امن سے فائدہ اٹھائیں۔ اسلام کی پر امن تبلیغ میں مشغول ہو جائیں۔ یورپی نوآبادیاتی حکمرانوں کو اسلام کی خوبصورت تعلیمات دکھائیں۔ اسلام کی تبلیغ ان کے اپنے عیسائی ممالک میں لے جائیں۔ وقت ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ساتھ میل جول کا بہت بڑا موقع فراہم کیا ہے۔ اس موقع کو گنوانہ دیں۔ فوجی تصادم میں وقت، توانائیاں اور جانیں ضائع نہ کریں۔

اگر دنیا بھر کے مسلمانوں نے پچھلے ۱۲۵ سالوں میں اپنی کوششیں اور توانائیاں یورپ اور شمالی امریکہ کے عیسائیوں کو قائل کرنے پر مرکوز کی ہوتیں، تو آج عیسائیوں کی اکثریت، خاص طور پر امریکہ میں انجیلی عیسائی (Evangelical Christians)، اسرائیل میں صیہونیوں کی حمایت نہ کر رہے ہوتے۔ ہم غزہ، ویسٹ بینک، لبنان، لیبیا، شام، عراق اور اب ایران سے آنے والی قتل عام کی ہولناک تصاویر نہ دیکھ رہے ہوتے۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان اسی طرح اچھے پڑوسی اور شہری کی حیثیت سے امن اور ہم آہنگی کے ساتھ رہ رہے ہوتے جیسے وہ صدیوں تک ایک ہی ملکوں میں رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہسپانوی انکوائزیشن کے مظلوم یہودیوں کو پناہ دیتے تھے۔

بد قسمتی سے مسلمانوں نے بہت سا وقت، توانائیاں اور جانیں ضائع کر دیں۔ اب ۱۲۵ سال بعد، زیادہ تر مسلمان اور مسلم ممالک کے حکمران اس بات کو محسوس کر رہے ہیں کہ دجال کے ساتھ براہ راست تصادم سے کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اسلام کی پر امن تبلیغ ہی آگے بڑھنے کا واحد راستہ ہے۔ جو لوگ مشرق وسطیٰ میں نہیں سیکھے، وہ اب سیکھ رہے ہیں۔ اور باقی مسلم دنیا بچوں اور شہریوں کے بھوک سے مرنے کے خوفناک مناظر (ویڈیوز) دیکھ رہی ہے اور متوقع انجام کو بدلنے سے قاصر ہے۔ اور جو لوگ نسبتاً محفوظ ہیں، وہ دجالی قوتوں کو خوش کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں تاکہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ مسلم ممالک کی طاقتور فوجیں ایک کے بعد ایک گر رہی ہیں۔

میں دعا گو ہوں کہ اب مسلمان پچھلے ۱۲۵ سال کی تاریخ سے سبق سیکھیں اور اپنی توجہ دجال سے بحث کرنے اور اسے اسلام کے خوبصورت پیغام کو قبول کرنے پر قائل کرنے پر مرکوز کریں۔ مجھے پورا یقین ہے ان شاء اللہ اسی طرح اسلام یورپ اور شمالی امریکہ میں پھیلے گا۔ اور ان شاء اللہ سورج (اسلام کا) مغرب سے طلوع ہو گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔ (فہرست۔مضامین)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

ایک برگزیدہ نبی اور رسول

از: ابو عباد

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر انتہائی اہمیت، تفصیل اور احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ وہ "خلیل اللہ" (اللہ کا محبوب دوست) اور تمام ابراہیمی مذاہب (اسلام، یہودیت، عیسائیت) کے مشترکہ پدرِ اعلیٰ ہیں۔ قرآن میں ان کا تذکرہ متعدد سورتوں میں ۶۵ مرتبہ آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تقریباً چار ہزار سال قبل عراق کے شہر "اور" (Ur) میں پیدا ہوئے۔ مذہبِ اسلام میں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی چودھویں سورت "سورۂ ابراہیم" ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احوال و اوصاف بیان فرمائے ہیں، انہیں "اُمت" (اکیلے ہی ایک امت)، "امام الناس" (لوگوں کا پیشوا) اور "خلیل اللہ" (اللہ کا دوست) کے لقب سے پکارا ہے۔ انہیں متعدد مرتبہ "حنیف" (یکسو، حق کی طرف مائل) بھی کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں انہیں "مسلم" (فرمانبردار، اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا) بھی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سے ایسے انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں، جیسے اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، یونس، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے ہی قلبِ سلیم (سالم دل) عطا کیا گیا تھا، چنانچہ انہوں نے ابتدا ہی سے اپنی قوم کی بت پرستی کی مخالفت کی۔ اللہ کی مخلوقات میں غور و فکر کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے والا ایک معبودِ حقیقی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ان کی اس فطری تلاش اور استدلال کو قرآن نے سورۃ الانعام (آیات ۷۴-۷۹) میں تفصیل سے بیان

کیا ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔) وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھاتے رہے اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو۔) فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (سو جب اس پر رات چھا گئی اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہا: کیا یہ میرا رب ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا۔ کہا: میں ڈوب جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔) فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ (پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا۔ کہا: کیا یہ میرا رب ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا۔ کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔) فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا۔ کہا: کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا۔ کہا: اے میری قوم! میں اس (شرک) سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔) اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ اس کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر مذہبی پیشوا تھے اور بت بنا کر بیچا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمانۂ طفولیت سے ہی بتوں کی عبادت کی مخالفت کی۔ کھل کر مخالفت کرنے پر انہیں قتل کرنے اور گھر سے نکالنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ ایک موقع پر، جب قوم کسی تہوار پر شہر سے باہر گئی ہوئی تھی (جیسا کہ سورۃ الصافات میں اشارہ ہے)، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عبادت گاہ میں داخل ہو کر تمام بتوں کو توڑ ڈالا، صرف سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا (بعض روایات کے مطابق کلہاڑی اس کی گردن میں لٹکا دی)۔ اس کا مقصد قوم کو ان کے معبودوں کی بے بسی اور بے حسی پر سوچنے پر مجبور کرنا تھا۔ جب قوم واپس آئی تو حیران و پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔ قرآن اس واقعے کو سورۃ الانبیاء کی آیت ۵۸ تا ۶۳ میں بیان کرتا ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ (سو ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، مگر ان کے بڑے کو رہنے دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں) قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (کہنے لگے: ہمارے معبودوں سے کس نے یہ کام کیا ہے؟ یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے۔) قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ (لوگوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو اُن کا ذِکر کرتے ہوئے سُنا تھا جسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔) قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ (کہنے لگے، اسے لوگوں کے سامنے لاؤ، تاکہ وہ گواہی دیں) قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ (کہا، اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہمارے معبودوں سے یہ کام کیا ہے؟) قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ (اس نے کہا بلکہ یہ کیا (جس نے کیا) ان کا بڑا یہ ہے، سو ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہِ وقت نمرود (جو اپنے آپ کو معبود سمجھتا تھا) کے ساتھ اللہ کی قدرت پر واضح دلائل کے ساتھ مناظرہ کیا جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ملتا ہے:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (کیا تو نے اس (کی حالت) پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا اس لیے کہ اللہ نے اُسے ملک دیا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندگی بخشتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندگی دیتا اور مارتا ہوں۔ اور ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تُو اسے مغرب سے نکال۔ پھر وہ جو کافر تھا حیران رہ گیا۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔) (سورۃ البقرۃ:۲۵۸)

مناظرہ میں شکست اور بت شکنی کے جرم میں نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ دکھائی اور آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی: قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ (کہنے لگے اسے جلا دو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو، اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو) قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ (ہم نے کہا، اے آگ! ابراہیمؑ پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا۔) (سورۃ الانبیاء: ۶۹-۶۸)

مفسرین نے اس واقعہ کو عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ چالیس دن تک لکڑیوں کا جمع کیا جانا، عظیم الشان آگ کا جلنا، مشرکین کو سمجھ نہ آنا کہ اب اس آگ میں ابراہیمؑ کو کس طرح ڈالا جائے، پھر شیطان کا آکر انہیں مشورہ دینا، پھر حضرت ابراہیمؑ کا اس آگ میں چالیس یا پچاس دن تک رہنا وغیرہ۔ حضر

ت مولانا محمد علیؒ نے بڑے احسن انداز میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پڑنے سے پہلے نجات دے دی اور کسی دوسری طرف نکال دیا جیسا کہ آیت نمبر ۷۱ سے ظاہر ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا وہاں سے ہجرت کر جانا تو صاف معلوم ہوتا ہے ۔جس خدا نے حضرت نوحؑ کو طوفان سے، حضرت موسیٰؑ کو سمندر سے، حضرت عیسیٰ کو صلیب سے اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کو قتل سے بچا لیا حالانکہ آپ کے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا وہ اس بات پر بھی قادر تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے بچا دے، خواہ آگ میں پڑ کر آپ بچائے گئے ہوں۔اور خواہ اس سے بھی بیشتر اس آگ کو ابراہیمؑ کے حق میں عَلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ ٹھنڈا کر دیا ہو۔اور آیت ۷۱ سے اور ایسا ہی الصافات ۹۸ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ابھی ارادہ ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں سے نجات دی۔اس عظیم معجزے کے باوجود قوم نے ہدایت قبول نہ کی۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور ان کے دیگر پیروکاروں سمیت عراق سے ہجرت کر کے پہلے شام (حاران) اور پھر فلسطین تشریف لے گئے اور وہیں مستقل قیام فرمایا۔

اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ الہام ہوا کہ **”مجھے آگ سے مت ڈراؤ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے“** حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ میں ایسے فنا تھے اور خدا بھی آپ سے ایسی محبت کرتا تھا کہ آپ کو اپنے رب کی غیر معمولی تائید ونصرت اور حفاظت پر ناز تھا۔ایک دفعہ جب ایک ہندو نے اسلام پر یہ اعتراض کیا کہ قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ بات قانون قدرت کے خلاف بیان کی ہے کہ دشمنوں نے ان کو آگ میں ڈالا اور خدا کے حکم سے آگ ان پر ٹھنڈی ہوگئی تو حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ حقیقی آگ مراد نہیں بلکہ جنگ اور مخالفت کی آگ مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہؑ اور شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کے ویران وادی میں، بیت اللہ کے قریب (اس جگہ جہاں بعد میں کعبہ تعمیر ہوا) آباد کیا۔ قرآن اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کی دعا بیان کرتا ہے:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزّت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے، تا کہ وہ شکر کریں۔)(سورۃ ابراہیم:۳۷)

یہ دعا قبول ہوئی۔ پانی کا چشمہ زم زم جاری ہوا۔ بنو جرہم قبیلے نے وہاں قیام کیا اور مکہ آباد ہونا شروع ہوا۔ آج دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل مکہ کی طرف کھنچتے ہیں اور حج وعمرہ کی صورت میں لاکھوں کی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں۔ اللہ نے وہاں پھلوں سمیت ہر قسم کی نعمتوں کو فراواں کر دیا۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ دونوں باپ بیٹے نے اللہ کے اس حکم کو بلا چوں وچرا تسلیم کر لیا۔ قرآن اس عظیم قربانی اور تسلیم ورضا کے واقعے کو سورۃ الصافات میں بیان کرتا ہے: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (سو جب وہ اس کے ساتھ کام کاج (کی عمر) کو پہنچا اس نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو دیکھ تیری کیا رائے ہے، اس نے کہا اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے کر، تُو مجھے اگر اللہ چاہے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔) (الصافات:۱۰۲)فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (پس جب دونوں نے (اللہ کے حکم کے سامنے) سرِ تسلیم خم کر دیا اور (ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کو) ماتھے کے بل لٹا دیا۔)وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ (اور ہم نے اسے آواز دی: اے ابراہیم!)قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (تونے خواب سچ کر دکھایا، اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں)(الصافات:۱۰۲-۱۰۵)۔ حضرت ابراہیم کے صدق دکھانے پر **امام وقتؑ** نے فرمایا کہ:-

”خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدق دکھایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرب حاصل کیا تو اس کی وجہ یہی تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓي (النجم:۳۸)ابراہیمؑ وہ ابراہیمؑ ہے جس نے وفاداری دکھائی۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور صدق اور اخلاص دکھانا ایک موت چاہتا ہے جب تک انسان دنیا اور اس کی ساری لذتوں اور شوکتوں پر پانی پھیر دینے کو تیار نہ ہو جاوے۔ اور ہر ذلت اور سختی اور تنگی خدا کے لئے گوارا کرنے کو تیار نہ ہو۔ یہ صفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ بت پرستی یہی نہیں کہ انسان کسی درخت یا پتھر کی پرستش کرے بلکہ ہر ایک چیز جو اللہ تعالیٰ کے

قرب سے روکتی اور اس پر مقدم ہوتی ہے۔ وہ بُت ہے اور اس قدر بت انسان اپنے اندر رکھتاہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں بت پرستی کر رہاہوں۔ پس جب تک خالص خدا تعالیٰ ہی کے لئے نہیں ہو جاتا اور اس کی راہ میں ہر مصیبت کی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ صدق اور اخلاص کا رنگ پیدا ہونا مشکل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو یہ خطاب ملا۔ یہ یونہی مل گیا تھا؟ نہیں۔ اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی (النجم:۳۸) آواز اس وقت آئی جبکہ وہ بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عمل کو چاہتا اور عمل ہی سے راضی ہوتا ہے۔ اور عمل دکھ سے آتا ہے۔ لیکن جب انسان خدا کے لئے دکھ اٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اس کو دکھ میں بھی نہیں ڈالتا۔"(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۷۰۳ ایڈیشن ۱۹۸۸ء)

اس عظیم امتحان میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ دنیا میں اس کی عبادت کے لیے گھر تعمیر کریں۔ باپ بیٹے نے مل کر بیت اللہ شریف (خانہ کعبہ) کی تعمیر کی:

وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (اور جب ابراہیمؑ گھر کی بنیادیں اُٹھاتا تھا اور اسماعیلؑ (بھی): اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، تُو سننے والا جاننے والا ہے۔) (سورۃ البقرۃ:۱۲۷) بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہونے پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو: وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ (اور لوگوں میں حج کے لیے پکار دے، وہ تیری طرف آئیں گے (کچھ) پیدل اور (کچھ) ہر طرح کی دُبلی (سواریوں) پر، جو ہر دُور کے رستے سے آتی ہوں گی۔) (الحج:۲۷) آج بھی دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں عازمینِ حج "لبیک" پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر حج کی ادائیگی کر کے اپنا تعلق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی عظیم قربانیوں اور تعمیرات کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ حج روحانی، مالی اور بدنی تینوں پہلوؤں پر مشتمل ایک منفرد اور عظیم عبادت ہے۔

قرآن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحیدِ خالص، استقامت، عقلِ سلیم، اللہ پر کامل توکل، خلوصِ نیت، دعا، قربانی اور شرک و مشرکین سے بیزاری کا بہترین نمونہ (اُسوۂ حسنہ) پیش کرتا ہے۔ ان کی سیرتِ طیبہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور تقویٰ کی روشن راہ دکھاتی ہے۔ وہ "امتِ مسلمہ" کے روحانی پیشوا، خانہ کعبہ کے بانی اور توحید کے عظیم مجاہد ہیں۔ ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ حق کی راہ میں ثابت قدمی، اللہ پر بھروسہ اور اخلاصِ عمل ہی کامیابی اور اللہ کی محبت کا حقیقی راستہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ "اسلام کا منشاء یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے کہ ابراہیم بنو۔"(ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۱۸۹ ایڈیشن ۱۹۸۴ء)۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(فہرست۔مضامین)

اسلام میں حج کی اہمیت اور فلسفۂ حج

از: طیب اسلام

حج کے ایام شروع ہو چکے ہیں، دنیا کے کونے کونے سے ہزاروں عازمین حج، حج کا ترانہ یعنی لبیک اللھم لبیک پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ رہے ہیں، کچھ راستے میں ہیں اور کچھ جانے کے لئے تیار ہیں۔ جلد ہی لاکھوں حجاج کرام اسلام کے پانچویں اہم رکن کی ادائیگی کے لئے دنیاوی ظاہری زیب وزینت کو چھوڑ کر اللہ جل شانہ کے ساتھ والہانہ محبت میں مشاعر مقدسہ (منیٰ، عرفات اور مزدلفہ) پہنچ جائیں گے اور وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر حج کی ادائیگی کر کے اپنا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانیوں کے ساتھ جوڑیں گے۔ حج کو عاشقانہ عبادت کہتے ہیں کیونکہ حاجی کے ہر عمل سے وارفتگی (عشق) اور دیوانگی ٹپکتی ہے۔ حج کی فرضیت کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

"اور لوگوں پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا ہے اُس پر جو اس تک راہ پا سکے۔۔۔۔' اس آیت سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کعبۃ اللہ کی کتنی عظمت و شان ہے کیونکہ یہ سارے لوگوں کے لئے مرکز ہدایت ہے، برکت کا مقام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت بھی وہیں پر ہے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی زم زم کا کنواں ہے اور اس گھر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو بھی اس کے اندر (حدود) حرم میں داخل ہو گیا وہ امن پا گیا لہذا اب جو کوئی اس متبرک مقام تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ضرور بہ ضرور اس کا حج کرے۔

اسلامی عبادات میں حج بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں بیان ہوا ہے کہ: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔"

قرآن مجید کی روشنی میں دین پر غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دین کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس ہے۔ نفس انسانی کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی چار اساسیات ہیں۔ پہلی اساس ذکر ہے۔ دوسری اساس وفا ہے، تیسری اساس تقویٰ ہے اور چوتھی اساس محبت ہے۔ جبکہ حج ان تمام اساسات کا مجموعہ ہے۔ جس نے تمام عبادات کی اصل اساسات اپنے اندر جمع کر لیں ہیں۔ خانہ کعبہ ہماری نمازوں کا مرکز ہے۔ وہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسی مقصد کے لئے بنائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"اور جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے مرجع اور امن بنایا۔ اور ابراہیمؑ کے مقام کو قبلہ نماز بناؤ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو حکم دیا کہ میرے گھر کو پاک کر دو طواف کرنے والوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں (کے لئے)"۔(البقرہ آیت ۱۲۵)

حج کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا اور فسق اور فحش کلام سے بچا تو وہ ایسا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اس کے برعکس احادیث میں ان لوگوں کے لئے بھی وعید ہے جو کہ استطاعت ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے جس کو حضرت ابوامامہ نے روایت کیا ہے کہ:"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ یا شدید مرض نے حج سے نہیں روکا اور اس نے حج نہیں کیا اور مرگیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (الدارمی)

شرائط حج پوری نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود نے حج نہیں کیا لیکن ۱۸۸۶ء میں جب آپؑ کا ایک مرید و دوست حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو ایک خط میں لکھا اور فرمایا اس عاجز ناکارہ کی ایک عاجزانہ التماس یاد رکھیں کہ جب آپ کو بیت اللہ کی زیارت بفضل اللہ تعالیٰ میسر ہو تو اس مقام محمود مبارک میں اس احقر عباد اللہ کی طرف سے انہیں لفظوں سے مسکنت و غربت کے ہاتھ بحضور اُٹھا کر گزارش کریں کہ:"اے ارحم الراحمین! ایک تیرا بندہ عاجز اور ناکارہ پُر خطا اور نالائق غلام احمد جو تیری زمین ملک ہند میں ہے۔ اس کی یہ غرض ہے کہ اے ارحم الراحمین تو مجھ سے راضی ہو اور میری خطیئات اور گناہوں کو بخش کہ تو غفور و رحیم ہے اور مجھ سے وہ کام کرا، جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے۔ مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دوری ڈال اور میری زندگی اور میری موت اور میری ہر یک قوت اور جو مجھے حاصل ہے اپنی ہی راہ میں کر اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار اور اپنے ہی کامل متبعین میں مجھے اُٹھا۔ اے ارحم الراحمین! جس کام کی اشاعت کے لئے تو نے مجھے مامور کیا ہے اور جس خدمت کے لئے تو نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک پہنچا اور اس عاجز کے ہاتھ سے حجتِ اسلام مخالفین پر اور ان سب پر جو اب تک اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر اور اس عاجز اور اس عاجز کے تمام دوستوں اور مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کی نظر سے اپنے ظل حمایت میں رکھ کر دین و دنیا میں آپ ان کا متکفل اور متولی ہو جا اور سب کو اپنی دارالرضا میں پہنچا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی آل اور اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام و برکات نازل کر۔ آمین یارب العالمین (مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۷-۲۸ جدید ایڈیشن)

حج ایک جامع عبادت ہے اس لئے اس عبادت کے اندر جو فلسفہ ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اس لئے امام وقت حج کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حج سے صرف اتنا ہی مطلب نہیں کہ ایک شخص گھر سے نکلے اور سمندر چیر کر چلا جاوے اور رسمی طور پر کچھ لفظ منہ سے بول کر ایک رسم ادا کر کے چلا آوے اصل بات یہ ہے کہ حج ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے جو کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے، سمجھنا چاہیے کہ انسان کا اپنے نفس سے انقطاع کا یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں کھویا جاوے اور تعشق باللہ اور محبت الٰہی ایسی پیدا ہو جاوے کہ اس کے مقابلہ میں نہ اسے کسی سفر کی تکلیف ہو اور نہ جان و مال کی پرواہ ہو، نہ عزیز و اقارب سے جدائی کا فکر ہو جیسے عاشق اور محب اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی کرنے سے دریغ نہ کرے اس کا نمونہ حج میں رکھا ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کے گرد طواف کرتا ہے اسی طرح حج میں بھی طواف رکھا ہے یہ ایک باریک نکتہ ہے جیسا بیت اللہ ہے ایک

اس سے بھی اوپر ہے جب تک اس کا طواف نہ کرو یہ طواف مفید نہیں اور ثواب نہیں۔ اس کے طواف کرنے والوں کی بھی یہی حالت ہونی چاہیے جو یہاں دیکھتے ہو کہ ایک مختصر سا کپڑا رکھ لیتے ہیں اسی طرح اس کا طواف کرنے والوں کو چاہیے کہ دنیا کے کپڑے اتار کر فروتنی اور انکساری اختیار کرے اور عاشقانہ رنگ میں پھر طواف کرے۔ طواف عشق الٰہی کی نشانی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا مرضات اللہ ہی کے گرد طواف کرنا چاہیے اور کوئی غرض باقی نہیں۔" (الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

حج کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ایک اور مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

"اسلام نے ۔۔۔۔محبت کی حالت کے اظہار کے لئے حج رکھا ہے، ۔۔۔۔حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں بعض وقت شدت محبت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے، کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا۔۔۔۔ غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کا لباس میں ہوتا ہے وہ حج میں موجود ہے، سر منڈایا جاتا ہے، دوڑتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ بعض اوقات حضرت مسیح موعودؑ پر لوگ بوجہ حج نہ کرنے پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام حج پر نہ جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حج کا مانع صرف زادِ راہ نہیں اور بہت سے امور ہیں جو عند اللہ حج نہ کرنے کے لئے عذر صحیح ہیں چنانچہ ان میں سے صحت کی حالت میں کچھ نقصان ہونا ہے۔ اور نیز ان میں سے وہ صورت ہے کہ جب راہ میں یا خود مکہ میں امن کی صورت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من استطاع الیہ سبیلا (آل عمران: ۹۷) عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بد اندیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کے لئے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جبکہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو اب مکہ فتنہ سے خالی نہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں فتنہ ہو اس جگہ جانے سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا اعتراض ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ فتنہ کے دنوں میں آنحضرت صلعم نے کبھی حج نہیں کیا اور حدیث اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنہ کے مقامات میں جانے سے پرہیز کرو۔ ولا تلقو بایدیکم الی التھلکۃ (البقرہ آیت ۱۹۵) پس ہم گنہگار ہوں گے اگر دیدہ دانستہ تہلکہ کی طرف قدم اٹھائیں گے اور حج کو جائیں گے اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہے۔ حج کرنا مشروط بشرائط ہے مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لئے قطعی حکم ہے جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اس حکم کی جس کی شرط موجود ہے۔ باوجود تحقق شرط کے پیروی اختیار کریں"۔ (ایام الصلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۴۱۵)

جو انسان حج کے لئے صاحب استطاعت ہو مگر کچھ رکاوٹیں حائل ہوں تو جماعت احمدیہ لاہور کے امیر سوم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم نے یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء میں آیت ومن اظلم من منع مسجد اللہ ان یذکر ۔۔(البقرہ آیت ۱۱۴) لکھا ہے کہ احمدیوں پر حج کی ممانعت ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ یہ ظلم عظیم آخر ختم ہو گا۔ مایوسی کی بات نہیں۔ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ (الیوسف ۸۶) میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں۔ حج ارکان اسلام میں سے ہے جبری ممانعت پر آزردگی قدرتی امر ہے حج اور بیت اللہ کی محبت اور زیارت کی تمنا کو دلوں سے ہرگز کم نہ کرنا چاہیے اس مقدس مقام کی محبت اور حج میں دلچسپی قائم رکھنا ضروری ہے۔ جن لوگوں کو اس دفعہ حج مبارک ہو ۲۰ لاکھ کی تعداد بتائی گئی ہے اللہ ہمارے لئے بھی راہیں کھول دے۔

حج کے لئے جس طرح پہلے روپیہ علیحدہ کیا جاتا تھا وہ عمل اب بھی ہمیں جاری رکھنا چاہیے۔ اگر عمر بھر کے انتظار کے بعد بھی موقع نہ ملے تو یہ جمع شدہ رقم اللہ کی راہ میں کسی دینی مقصد میں خرچ کر دینی چاہیے۔ حیات گل، کفش دوز، دیب گراں کا واقعہ اس شخص نے حضرت صاحب کا زمانہ پایا اور قادیان جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس شخص نے چھ سو روپیہ جو حج کے لئے پیسہ پیسہ کر کے جمع کیا تھا جب دوران پہلی عالمی جنگ حج بند ہو گیا، ۱۹۱۶ء میں قرآن کی تفسیر انگریزی کے سلسلہ میں بطور چندہ انجمن کو دے دیا حضرت امیر مرحوم (حضرت مولانا محمد علیؒ) نے اپنی جلسہ سالانہ کی تقریر میں اس کا خصوصی ذکر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی حج کے لئے آسانیاں پیدا کرے اور دنیا کے جو ظلم و ستم ہیں ان کے لئے حضرت یعقوبؑ کا یہ قول ہی کافی ہے۔ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ (الیوسف ۸۶) میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں۔ وآخر دعونا الحمد اللہ رب العالمین

(فہرست۔۔مضامین)